مشرقِ وسطیٰ

مسیحیوں کا ترکِ وطن، احیائے اسلام اور تبشیری سرگرمیاں

[ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے معروف تبشیری مجلّہ "کرسچنٹی ٹوڈے" کے مدیر منتظم جناب ڈیوڈ ٹیف نے مشرقِ وسطیٰ کی کلیسیائی زندگی میں چار سرگرم رہنماؤں کو یکجا کیا، اور ان سے مشرقِ وسطیٰ کی مسیحی برادری، مشرق - مغرب تعلقات، احیائے اسلام اور امریکہ کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے گفتگو کی۔ ان رہنماؤں میں سے ایک وافق وہبہ ہیں جو قاہرہ میں پرسبیٹرین پادری کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ دوسرے زین بوشبل ہیں جو "ورلڈ ورژن انٹرنیشنل" کی جانب سے فیلڈ ڈائریکٹر ہیں۔ تیسرے رہنما فلسطین نژاد متری راہب ہیں جو بیت لحم میں لوتھرن پادری ہیں۔ چوتھے امریکی مبشّر رے ہیکے ہیں۔ جناب رے ہیکے "انٹرنیشنل اربن ایسوسی ایٹس" کے منتظم اور Evangelicals for Middle East Understanding کے بانی ڈائریکٹر ہیں۔ ذیل میں سوالات اور شرکاء کی جانب سے اُن کے جوابات کا اُردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ مدیر]

مشرقِ وسطیٰ کے کلیسیاؤں کے بارے میں اکثر یہ نہیں سمجھا جاتا کہ وہ مبشّرانہ ذہن کے مالک ہیں. آپ اپنے اپنے ملکوں کے بارے میں مبشّرانہ سرگرمیوں کا سرسری تعارف کرائیں.

وہبہ: قبطی کلیسیا جو مصر کا اصل کلیسیا ہے، مسیحیت کی اوّلیں تین صدیوں میں وجود میں آیا۔ یہ اپنی مضبوط تبشیری تاریخ رکھتا ہے۔ قبطی روایت کے مطابق کلیسیا کا آغاز مرقس نے کیا تھا اور اس میں متنوع یہودی النسل گروہ شامل تھے۔ بعد میں مصری آبادی کلیسیا میں شامل ہوئی۔ یہاں سے یہ کلیسیا مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے حصّوں میں پھیلا، بالخصوص ایتھوپیا میں۔ بعد ازاں دینیاتی اور سیاسی تنازعوں کے نتیجے میں یہ دوسروں سے کٹ گیا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں، کلیسیا کے احیاء اور کلیسیائی زندگی میں بائبل کی مرکزیت کے ذریعے مصری مسیحیوں نے اپنے اندر یہ احساس ایک بار پھر پیدا کر لیا کہ مصر میں اُن کی حیثیت مبشّرانہ ہے۔

بوشبل: لبنان مشرقِ وسطیٰ میں اُن مسیحیوں کے لیے ہمیشہ جائے پناہ رہا ہے جنہیں اپنے اپنے ملکوں میں زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم لبنان میں آرتھوڈکس، کیتھولک، ایونجلیکل پروٹسٹنٹ گروہوں کی خوبصورت بوقلمونی دیکھتے ہیں۔ لبنان کی خانہ جنگی کے دوران میں لبنان کے

بہت سے مسیحیوں کو تلاشِ معاش میں خلیجی ریاستوں میں جانا پڑا، تاہم وہ ان ریاستوں میں محض اپنی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے لیے نہیں گئے تھے، بلکہ وہ مسیح کا پیغام غیر مسیحیوں کے لیے لے کر گئے۔

راہب: فلسطین میں اس خطّے سے مخصوص ایک طرز کی مبشّرانہ رسائی موجود ہے، اگرچہ اسے اکثر و بیشتر تبشیری عمل شمار نہیں کیا جاتا۔ فلسطین وہ خطۂ زمین ہے جہاں مقدّس تاریخی مقامات ہیں اور دُنیا بھر سے مسیحی یہاں آتے ہیں، تاکہ اُنہیں خداوند خدا کا قرب حاصل ہو۔ اس پس منظر میں ہمارا ملک نہ صرف منکرانِ خدا کے لیے ایک تبشیری میدان ہے، بلکہ اُن زائرین کے لیے بھی جو خصوصی مذہبی تجربے کی تلاش میں فلسطین آتے ہیں۔ اس لیے غیر مسیحیوں کو حلقۂ مسیحیت میں لانے کے ساتھ ساتھ ہم اس امر پر زور دے رہے ہیں کہ ان زائرین میں بھی کام کیا جائے۔ شاید اُنہیں اپنے فلسطینی بھائیوں اور بہنوں میں خدا کی محبت کا تجربہ ہو۔

فلسطین میں، اور مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے ممالک میں بھی مسیحی آبادی کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس صورتِ حال سے مشرقِ وسطیٰ میں کلیسیائی کام کس طرح متاثر ہوا ہے؟

راہب: مسیحیوں کا ترکِ وطن، یوں تو مشرقِ وسطیٰ کی ساری مسیحی برادری کے لیے، لیکن بالخصوص فلسطین کے لیے پریشان کن ہے۔ ۱۹۹۴ء میں ہم نے اس مسئلے پر ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ایک مفصّل رپورٹ شائع کی تھی۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ مسئلہ ارضِ مقدّس کو مسیحی ڈزنی لینڈ بنا دے گا۔ اگر ارضِ مقدّس میں مسیحی نہ رہے تو یہ خطّہ اپنی روح اور اہمیت سے محروم ہو جائے گا۔ اس وقت ہمارے اہم اہداف میں سے ایک یہ ہے کہ نوجوان لوگوں کو واپس اپنے وطن جانے کی ترغیب دیں تاکہ وہ کلیسیائی مشن کے لیے کام کر سکیں۔

بیکے: یہ امر دلچسپ ہے کہ مِتری سمیت "مغربی کنارے" میں صرف چھ فلسطین نژاد لوتھرن پادری ہیں، جب کہ اُس کے ۱۶ ہم وطن لوتھرن پادری ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں آباد ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ مسیحی رہنماؤں سمیت مشرقِ وسطیٰ کے لوگوں کے لیے Catch Basin بن گیا ہے۔ آپ اس صورتِ حال کو ایک گھمبیر مسئلے کی شکل میں بھی دیکھ سکتے ہیں، یا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اکیسویں صدی میں جب ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں عربوں کی آبادی یہودیوں سے زیادہ ہو جائے گی تو ہمارے ہاں پہلے ہی عربی بولنے والا چرچ موجود ہو گا جو اُن سے رابطہ رکھنے کے لیے تیار ہو گا۔ اگرچہ اس وقت لوگوں کے فلسطین واپس جانے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے، اور اس پر توجہ دینا چاہیے، تاہم وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خداوند خدا ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو فصل اٹھانے کے لیے تیار کر رہا

ہے، جس کے پاس مشرقِ وسطیٰ اور امریکہ دونوں جگہ چرچ ہیں۔

بوشبل: ترکِ وطن کا یہ مسئلہ لبنان، شام اور مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے ممالک کے حوالے سے بھی موجود ہے۔ سب ہی عرب ملکوں سے لوگ یہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ آ رہے ہیں۔ مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ خداوند خدا امریکہ کو کسی بڑے کام کے لیے تیار کر رہا ہے۔ جس خوشحالی سے اس ملک کے باسی لطف اندوز ہو رہے ہیں، یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ تک محدود نہ رہے گی، شاید پوری دُنیا کو اس میں شریک ہونا ہے۔

وہبہ: مصر میں اس وقت ترکِ وطن کا مسئلہ نمایاں نہیں ہے، کیوں کہ مشرقِ وسطیٰ میں مسیحی آبادی سب سے زیادہ مصر میں ہے۔ مصر میں رہنے والے ستر - اسی لاکھ مسیحی، مشرقِ وسطیٰ کی کل مسیحی آبادی کا دو تہائی ہیں، اور مصر میں وہ آبادی کا کم از کم ۱۲ فیصد ہیں۔ اس لیے اگر ہم بیس تیس لاکھ بیرونِ ملک مقیم مصریوں کی بات کریں تو ان میں مسیحیوں کی تعداد نسبتاً اُس طرح کی ڈرامائی کیفیت نہیں رکھتی، جیسی فلسطین یا لبنان میں ہے۔

تاہم پھر بھی، یہ ایک حقیقت ہے کہ ترکِ وطن، دوسرے عوامل کے ساتھ مصر کی مسیحی آبادی کو بحیثیتِ مجموعی متاثر کیے ہوئے ہے۔ ترکِ وطن کرنے والے بالعموم تعلیم یافتہ اور معزز پیشوں سے وابستہ لوگ ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو بہتر قیادت فراہم کر سکتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ ترکِ وطن نہیں کرتے، اصلاً اُن کے پاس وسائل ہی نہیں کہ مغربی ماحول میں زندگی گزار سکیں۔

ترکِ وطن کا یہ مسئلہ کلیسیا کیسے حل کرے؟

راہب: ایک حد تک ترکِ وطن کا یہ عمل مشرقِ وسطیٰ کے مسیحیوں کی اپنے ملکوں سے بے گانگی کو ظاہر کرتا ہے۔ بہت سے مسیحی یہ محسوس نہیں کرتے کہ اُن کا تعلق مشرقِ وسطیٰ سے ہے۔ ہر روز میں یہ سوال اپنے آپ سے کرتا ہوں کہ میرا تعلق کہاں سے ہے؟ میرے لیے مواقع کی کمی نہیں کہ یہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ آ جاؤں، مگر کیا میرا تعلق اس خطّے سے ہے؟ رنگ و نسل کے حوالے سے نہیں، بلکہ دینیاتی طور پر گفتگو کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں، میری ضرورت کہاں ہے؟

یہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں آپ کے پاس کروڑوں مسیحی ہیں، لیکن یہ کیفیت فلسطین میں نہیں۔ کلیسیا کا ایک مقصد یہ بھی ہونا چاہیے کہ مشرقِ وسطیٰ میں رہائش پذیر مسیحیوں کا دل بڑھایا جائے اور اُن کے "بلاوے" کی اہمیت سمجھنے میں اُنہیں مدد دی جائے۔ اُنہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ "مشرق میں تمہارا وجود بے معنی نہیں، اس کا ایک قوی مقصد ہے، جو کچھ آپ یہاں کر سکتے ہیں، کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔"

بوشبل: حقیقیت پسندانہ طور پر دیکھا جائے تو مشرقِ وسطیٰ سے آنے والے زیادہ تر لوگوں نے مالی اسباب کے تحت ترکِ وطن کیا ہے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اپنے خاندانوں کی بہتر زندگی کے لیے آئے ہیں۔ ہمیں یہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اُن تارکینِ وطن کو تلاش کرنا چاہیے جو یسوع مسیح اور اُس کے مشن سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں، اور اُنہیں واپس اپنے وطن چلے جانے کے لیے آمادہ کرنا چاہیے۔ میرا اب تک یہ خیال ہے کہ سب سے پہلے یہ مقامی لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے ہم وطنوں کو مسیح کا پیغام پہنچائیں۔ اہم بات یہ ہے کہ جو لوگ واپس جائیں گے، وہ غیر ملکی مبشّرین سے زیادہ مفید ثابت ہوں گے جن کا اُس خطّے سے نسلاً کوئی تعلق نہیں۔

راہب: اِس وقت ترکِ وطن کی واقعی صورت حال میں بہترین حکمتِ عملی یہ ہوگی کہ مشرقِ وسطیٰ کے لوگوں کو حقائق سے آگاہ کیا جائے۔ میں فلسطین کے مرد و زن کو یہ بتا رہا ہوں کہ ترکِ وطن کا اب وقت نہیں رہا۔ وہ وقت گزر گیا جب ریاست ہائے متحدہ امریکہ جا کر بہت سی دولت کمائی جا سکتی تھی۔ اگر اب تم وہاں جانا چاہتے ہو تو تمہیں ۱۸ گھنٹے کام کرنا ہوگا اور میں عربی میں کہا کرتا ہوں کہ "گدھے کی طرح" کام کرنا ہوگا۔

زیادہ تر لوگ جو مشرقِ وسطیٰ سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ آئے ہیں، بہت سے مسائل کا شکار ہیں۔ مثال کے طور پر اپنے بچوں کے حوالے سے۔ یہ لوگ اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے ترکِ وطن کرتے ہیں، لیکن ایک بار جب وہ یہاں آ جاتے ہیں، تو اُنہیں احساس ہوتا ہے کہ اُن کا اپنے بچوں سے ثقافتی تعلق کم ہو رہا ہے، کیوں کہ امریکی معاشرے کا نظامِ اقدار مختلف ہے۔ پس ہمیں اپنے لوگوں کو بتانے کی ضرورت ہے کہ وقت بدل گیا ہے۔ اُنہیں جان لینا چاہیے کہ اب ریاست ہائے متحدہ امریکہ ہزاروں مواقع کی سرزمین ہرگز نہیں۔

مشرقِ وسطیٰ میں مغربی دُنیا کی طرف سے ترویجِ مسیحیّت کی کوششوں کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے؟

بوشبل: میری رائے میں ہمیں یہ بڑا ہدف پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ جو مبشّرین مشرقِ وسطیٰ آ رہے ہیں، وہ مسیحیّت کو لے کر آئیں، اپنے اپنے "مشن" نہ لائیں۔ ہم نے مشرقِ وسطیٰ میں دیکھا ہے کہ آنے والے مبشّرین اپنے اپنے فرقوں اور روایتوں کو مقامی لوگوں میں مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے صرف مسیحی ہونے پر زور دینے کی ضرورت ہے۔

مشرقِ وسطیٰ میں اسلام کا بھرپور احیاء ہو رہا ہے۔ اِس حریف مذہب کا چیلنج کس طرح کلیسیا کے مشن کو متاثر کر رہا ہے؟

بوشبل: اسلام جارحیت پسند ہے، اور ایک ملک کا اسلام دوسرے سے مختلف ہے۔ اسلام کا مقصد، جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں، مشرقِ وسطیٰ کے خطے کو اسلامی بنا دینا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جس طرح مسیحیوں کے بالمقابل مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے، وہ دن آجائے گا جب مسیحی نہ صرف لبنان میں ایک اقلیت ہوں گے، بلکہ پوری دُنیا میں یہی حالت ہو گی۔ اس سبب سے میں محسوس کرتا ہوں کہ جب تک ہمیں مواقع میسّر ہیں، مسلمان دُنیا کے لوگوں سے مخلصانہ روابط استوار کرنے کی ضرورت ہے۔

راہب: فلسطین میں مشترک اہداف کے حوالے سے مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان معقول حد تک تعاون موجود ہے۔ انقلابِ ایران کے تین سال بعد، انقلابی اسلامی بنیاد پرستی کے احیائی عمل کے جواب میں مسیحیوں اور مسلمانوں کے ایک گروپ نے مسلم - مسیحی مکالمے کا ایک مرکز قائم کیا تھا۔ اُس وقت سے لے کر اب تک ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ہم باقاعدگی سے کانفرنسوں اور ورکشاپوں کا اہتمام کر رہے ہیں۔

مجھے یقین نہیں کہ مسیحیوں کے تعاون کے بغیر مسلمان اکیلے (انقلابی بنیاد پرستی کے) اس بحران سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ لہٰذا خطے سے ترکِ وطن کرنے والے مسیحی صورتِ حال کو مزید خراب کر رہے ہیں، مگر مسئلے سے عہدہ برآ ہونا ہی ہمارا "بلاوا" ہے۔

بیکے: ایک مغرب نژاد فرد کی حیثیت سے، جسے مشرقِ وسطیٰ سے دلچسپی ہے، میں مغرب میں اپنی مذہبی تاریخ پر جتنا غور کرتا ہوں (جس میں پروٹسٹنٹوں اور کیتھولک مسیحیوں کے درمیان بلغاسٹ کے ہنگامہ خیز مباحثے بھی شامل ہیں)، اتنا ہی مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہم اختلافات کو آسانی یا تیزی سے حل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم یہ مسئلہ مشرقِ وسطیٰ میں جلد حل کر لیں گے۔ یہ مسئلہ نسل، قوم پرستی، تیل کی سیاست اور مشرق - مغرب مکالمے میں الجھا ہوا ہے۔ اور خطے کے رہنے والے اس پوزیشن میں نہیں کہ فیصلہ کر سکیں یا طویل مدّت کی بنیاد پر مل جُل کر کام کر سکیں، کیوں کہ قلیل مدّت کی اہمیت رکھنے والی باتیں اُنہیں سخت متاثر کیے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جس طرح ہم مشرقِ وسطیٰ کے تنازعات کو دیکھتے ہیں، اسی طرح ہمیں مغرب کی طرف بھی صبر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور مشرقِ وسطیٰ کے تعلقات کو جو حسّاس مسئلہ بالخصوص متاثر کیے ہوئے ہے، وہ اسرائیل کی حمایت میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی جانبداری ہے۔ اس سے فلسطینی سب سے زیادہ براہ راست متاثر ہوتے ہیں، تاہم مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے ممالک پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ یہ جانب داری آپ کے چرچ کے مشن کو کس طرح متاثر کرتی ہے؟

راہب: دو رجحانات ہیں جن سے مجھے خوف آتا ہے۔ ایک طرف عرب دُنیا میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو خونخوار کے طور پر پیش کرنے کا رجحان ہے، اور دوسری طرف ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں فلسطین کو خونخوار کی شکل دینے کا رجحان ہے۔ اور میں دونوں رجحانات سے خوف زدہ ہوں۔

میری رائے میں ایک اہم مسئلہ جسے ہمیں ذہن میں رکھنا چاہیے، یہ ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ مشرقِ وسطیٰ میں مسیحی ایجنڈے کے مطابق معاملہ نہیں کر رہا، بلکہ اقتصادی اور سیاسی مفادات اُس کے پیشِ نظر ہیں۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صلیبی جنگوں کے صدقے مسلمانوں نے مسیحیت کا ایک تکلیف دہ تاثر ورثے میں پایا ہے۔ جس طرح یہودیوں کو ہولوکاسٹ (Holocaust) کا اب تک خوف ہے، اسی طرح مسلمان ابھی تک صلیبی جنگوں کا خوف لیے ہوئے ہیں۔ آپ کو یہ بات غیر منطقی لگتی ہو گی، مگر حقیقت یہی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکومتی اور مسیحیت کے علمبردار ہونے کی حیثیتوں میں مسلمان اکثر فرق نہیں کر سکتے۔ اس سے کلیسیا کے مشن کو نقصان پہنچ رہا ہے، مشرقِ وسطیٰ کا کلیسیا ہمیشہ مشکلات برداشت کرنے والا کلیسیا رہا ہے اور ایک مصائب جھیلنے والے خادم کے طور پر صلیب کا نشان اٹھائے ہوئے ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کلیسیا کو امیر اور طاقت کا مالک سمجھا جاتا ہے، اور اسرائیل کے ساتھ امریکہ کے تعلقات مسلمان ذہن کے ادراک کو مضبوط تر کر دیتے ہیں۔

بوشبل: مشرقِ وسطیٰ کے تناظر میں ایسا لگتا ہے کہ امریکہ سے کسی انصاف کی توقع نہیں۔ اس کی ایک اچھی تصویر خلیجی جنگ ہے۔ بالکل اچانک، تیل کی وجہ سے، کویت کو بچانے کے لیے ہر ایک میدان میں کود پڑا۔ مشرقِ وسطیٰ میں اور بھی جنگیں تھیں جو برس ہا برس جاری رہیں، اور امریکہ اُنہیں روکنے کے لیے بیچ میں پڑ سکتا تھا، مگر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ یہ صورت حال بُرا پیغام دے رہی ہے۔ اسرائیل کو چھوٹے امریکہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو مشرقِ وسطیٰ میں وہ گچھ کرنے کے لیے تیار ہے، جو بڑا امریکہ چاہتا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ امریکہ کے بظاہر سرپرستانہ روابط کے نتیجے میں، بد قسمتی سے مشرقِ وسطیٰ میں ایوانجلیکل گروپوں کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جیسے وہ امریکی مُہرے ہوں۔

وہبہ: مصر میں مسئلے کی مختلف جہتیں ہیں۔ ریاست ہائے امریکہ نے اسرائیل اور مصر کے درمیان امن کی کوششوں میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا، لیکن امن کی یہ کوششیں سب لوگوں، بالخصوص مسلمان انقلابیوں، کو خوش نہ کر سکیں۔ اس سے مذہب کو سیاست کے ساتھ ملانے کا مسئلہ پھر پیدا ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں اس کا حل صرف یہ ہے کہ دو باتوں میں فرق کیا جائے۔ اسرائیل کی ریاست کا ایک سیاسی وظیفہ ہے، اس کا کوئی مذہبی وظیفہ نہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اسرائیل یا عرب ملکوں کے ساتھ روابط سیاسی نوعیت کے ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ کی ثقافت میں مذہب گندھا ہوا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب ہم سیاست کو مذہب کے ساتھ ملا دیتے ہیں تو نتائج ہمیشہ تباہی ہوتے ہیں۔